پروفیسر علی محسن صدیقی

امام بوصیری اور قصیدۂ بُردہ

ہجرت نبویؐ کے بعد قریش مکہ نے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی مخالفت میں بڑی شدت اختیار کی۔ چنانچہ مدینۃ النبی کے "اوس" و "خزرج" کے قبائل پر سیاسی اور مذہبی دباؤ ڈالے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب سے نکال دیں۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو یہود مدینہ سے سازشوں کے سلسلے شروع کیے۔ مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل غطفان، سلیم اور غفار کو مسلمانوں کے خلاف مدینہ پر چڑھا لائے۔ خود بدر و اُحد میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے ارادہ بد سے مدینۃ الرسولؐ پر لشکر کشی کی۔ غرض مخالفت کے ہر ممکن ذریعہ سے کام لے کر حق کو کچلنے کی ناپاک کوشش کی مگر نورِ اسلام فضائے بسیط پر چھا گیا اور کفر کے ظلمت کدے روشن ہو گئے۔ قریش کی مخالفت کا ایک میدان شعر و شاعری کا بھی تھا۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق جنگ و جدل کے موقعوں پر دشمنوں کے بہادر تیغ بران اور نیزۂ شرر بار سے لیس ہوتے اور ان کے شعرا تیغ زبان و طعنہ ہجو سے مسلح۔ دشمن کی تلوار کے وار سے زیادہ گہرا دار اس کے ہجویہ شعر کا ہوتا۔

قریشِ مکہ نے اپنے تین اچھے شعرا کو رسولِ مکرم اور مسلمانوں کی ہجو نگاری کا ناپاک فریضہ تفویض کیا۔ یہ لوگ عبد اللہ بن زبعری، ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب اور عمرو بن عاص تھے۔ ان کے علاوہ عبید اللہ بن خطل اور می اپنی دو گانے والی باندیوں کو آنحضرتؐ کی ہجو کے اشعار یاد کرا دیتا اور وہ مکہ میں انھیں گاتی پھرتیں۔ اسی طرح مدینے کے مضافات کا منچلا یہودی بنیا کعب بن اشرف ہجویہ اشعار لکھتا اور مسلمان مخدراتِ عصمت سے اپنے اشعار میں مبتذل تشبیب کرتا تھا۔ کفار کے اس رکیک حملے کا جواب دینا ضروری تھا مگر ان تمام اخلاقی ضابطوں کے ساتھ جن کی تلقین اسلام کرتا ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تین صحابۂ کرام حضرات حسان بن ثابت، کعب بن مالک خزرجی اور عبد اللہ بن رواحہ ان کفار کے ہجویات کے جواب لکھتے تھے۔ یہ زبان کی تلوار کفار کے حق میں تیرِ باران سے زیادہ

شدید تھی اور وہ انھیں سن کر تلملا اُٹھتے تھے۔ ان جوابات کے ضمن میں حضورِ اقدس کے مناقب کا بھی ذکر ہوتا تھا یوں نعتیہ شاعری کا آغاز ہوا۔ دراصل یہ نعتیہ شاعری ایک سیاسی ضرورت کی پیداوار تھی۔ ۷ ہجری میں ہدنۂ حدیبیہ کے دَوران مصر کے شہرۂ آفاق شاعر حضرت کعبؓ بن زہیر نے آنحضرتؐ کی خدمتِ اقدس میں اپنا معرکہ آرا قصیدہ اعتذاریہ ہدیہ گزرانا۔ اسی زمانہ میں عرب جاہلیت کا نامور شاعر اعشٰی بن قیس دربارِ نبویؐ میں قصیدہ مدحیہ کے نذرانے کے ساتھ حاضر ہونا چاہتا تھا کہ قریش مکّہ نے اس کم ہمّت اور کوتاہ نظر حریص کو سو اونٹ دے کر جمالِ نبویؐ کے دیدار کی دولت اور اسلام کی نعمت کے حصول سے محروم کر دیا۔ رسولِ مکرم کی وفات کے بعد آپ کے غم میں مراثی بھی لکھے گئے اور وہ بھی "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" کے مصداق دل میں اتر گئے۔ مختصر یہ کہ حیاتِ نبویؐ سے وصالِ نبویؐ تک صحابۂ کرام نے آپ کے مناقب میں جو کچھ کہا وہ ہماری نعت گوئی کا اوّلین سرمایہ تھا۔ آیئے اس اوّلین خزینۂ نعت کے چند جواہر پاروں کی تابانی ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت حسان بن ثابت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح میں کہتے ہیں:

اغرُّ علیہ للنبوۃ خاتمٌ　　　من اللہِ مشهودٌ یلوحُ ویشهدُ

[آپ پر خاتم نبوت روشن ہے۔ اللہ نے اس کی گواہی دی وہ چمکتی ہے اور گواہی دیتی ہے]

وَشقَّ لہٗ من اسمہٖ لیُجِلّہٗ　　　فذو العرشِ محمودٌ وهذا محمدٌ

(اللہ نے آپ کے نام کو اپنے نام میں سے جلالتِ شان کی غرض سے نکالا ہے۔ تو عرش والا (خدا) محمود ہے اور یہ محمد ہیں] ۔

فانّ ابی و والدتی و عِرضی　　　لعرضِ محمدٍ منکم وقاءُ

[بے شک میرا باپ، میری ماں اور میری آبرو محمدؐ کی آبرو کے لیے (اے کفار) تم سے ڈھال ہے]

هَجوتَ مبارکًا برًّا حنیفًا　　　امینَ اللہِ شیمتہٗ الوفاءُ

[تو نے ایک مبارک، نیکوکار، پاک دین اللہ کے امین کی ہجو کی۔ جن کی عادت وفاداری ہے]

آنحضرتؐ کے مرثیے کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

فبورکتَ یا قبرَ الرسولِ وبُورکت　　　بلادٌ ثوی فیها الرشیدُ المسدّدُ

(تو مبارک ہو اے قبرِ رسول۔ اور مبارک ہو وہ شہر جس میں صاحبِ رشد و ہدایت محوِ خواب ہیں]

حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار کی ایک جھلک دیکھیے:

اَنتَ الرَّسُولُ فمن یُحرم نوافلَهٗ   والوجه منه فقد ازدی به القدرٗ

[آپ رسول ہیں تو کون رسول کی بخششوں سے محروم رہ سکتا ہے۔ اور آپ کے مرتبہ سے کون محروم فیضان ہوگا، کیونکہ اس کے علو کے مقابلے میں تمام عزتیں پست ہوگئیں]

فَثَبَّتَ اللّٰهُ ما اٰتاكَ مِن حُسنٍ   فی المُرسلِینَ ونَصْرًا کالذی نُصِرُوا

[آپ کو رسولوں میں حسن دے کر اور ان (انبیا) جیسی مدد کرکے اللہ نے آپ کی صداقت ثابت کردی]۔

حضرت کعب بن مالک خزرجی غزوۂ ہوازن کے موقع پر کہتے ہیں:

رئیسُهُم النبیُّ و کانَ صلبًا   نقیَّ القلبِ مصطبرًا عَزوفا

[ان مسلمانوں کے سردار نبی کریم ہیں - وہ قوی، پاک دل، سخت اور صابر ہیں]

رشیدُ الامرِ ذو حکمٍ وعلمٍ   وحلمٍ لم یکن ترقًا خفیفا

[ان کے کام ہدایت یافتہ ہیں۔ وہ حکم، علم۔ اور حلم والے ہیں وہ غصہ ور اور خفیف الحرکت نہیں ہیں]

نُطیعُ نَبِیَّنَا و نُطیعُ رَبًّا   هو الرحمٰنُ کان بنا رَؤُفا

[ہم اپنے نبی کی اطاعت کرتے ہیں اور ہم اپنے رب کی اطاعت کرتے ہیں جو رحمٰن اور ہم پر رؤف و مہربان ہے]

کعب بن زہیر مزنی کے قصیدہ اعتذاریہ میں نعت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان ملاحظہ ہو:

مَهلًا هداكَ الذی اعطاكَ نافلةَ   القرانَ فیها مواعیظٌ و تفصیلُ

[اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے مہلت دیں، مجھ پر رحم فرمائیں۔ آپ کو اللہ عفو تقصیر کی راہ دکھائے جس نے آپ کو قرآن، جس میں نصیحتیں اور تفصیلات ہیں عطیۂ زائد کے بطور دیا ہے]

اِنَّ الرسولَ لنورٌ یستضاءُ بِهٖ   مُهَنَّدٌ مِن سُیوفِ اللّٰهِ مَسلولُ

[بیشک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اللہ کی تلواروں میں سے ایک عمدہ ہندی شمشیر برہنہ ہیں]

اعشیٰ بن قیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے:

اَجِدَّكَ لَم تَسمَعْ وِصاةَ مُحمدٍ   نَبِیِّ الالٰهِ حِینَ اوصیٰ و اشهدا

(تم محمدؐ کی نصیحت آمیز باتوں پر جب وہ نصیحت کرتے اور توحید کی گواہی دیتے ہیں، کیوں کان نہیں دھرتے؟)

جیساکہ صفحاتِ گزشتہ میں مَیں نے عرض کیا عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جس نعتیہ شاعری کا آغاز ہوا وہ سیاسی وجوہ سے پیدا ہوئی۔ اسی لیے فتح مکّہ کے بعد جب اسلام کے بدترین دشمن قریش دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے تو اس شاعری کا سلسلہ بھی رُک گیا۔ اسی لیے عہد خلافتِ راشدہ میں عرب جاہلیت کے شہرہ آفاق شاعر حضرت لبید بن ربیعہ عامری نے شعر گوئی سے بالکلیہ اجتناب کیا۔ اور عہدِ اموی کے شعرا نے جن میں فرزدق جریر، عبداللہ بن قیس رقیات اور عمر بن ابی ربیعہ سرفہرست ہیں نعتیہ شاعری نہیں کی حالانکہ عربی شاعری میں کیا جاہلی، کیا مخضرمی اور کیا عباسی، ان شعرا کو وہ مقام حاصل ہے، جو اوروں کو حاصل نہ ہو سکا۔ عہدِ عباسی کے شعرا میں ابوالعتاہیہ، ابونواس، ابوتمام طائی، بحتری، ابن الرومی، متنبیؔ اور ابن المعتز وغیرہ نے بھی نعت گوئی کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔

دراصل نعت گوئی کا آغاز اس وقت ہوا جب سیاسی انحطاط شروع ہوا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ادبی اور شعری انحطاط کا بھی آغاز ہوا۔ عربی شاعری اپنی وسعت کے باوجود بعد کے ادوار میں ایسے نعت گو شعرا نہ پیدا کر سکی جیسے فارسی یا اردو میں پیدا ہوئے۔ امام بوصیری سے بڑا عربی نعت نگار بعد کے زمانے میں نہیں ہوا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بوصیری کا پایہ نعت گوئی میں بہت بلند ہے اور ان کے تمام کلام سے قطع نظر صرف ان کا قصیدۂ بُردہ ہی عربی نعت کا وہ شاہ کار ہے جس کا جواب کسی اور زبان میں نہ ملے گا

ہم صفحات مابعد میں انہی امام بوصیری کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کریں گے اور ان کے اس مشہور قصیدے کا ذکر کریں گے۔

محمد بن سعید یکم شوال ۶۰۸ھ مطابق ۷ مارچ ۱۲۱۳ء کو مصر کے ایک قصبہ دلاص میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسلی سلسلہ مشہور بربر قبیلہ صنہاجہ تک پہنچتا ہے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے وہ خاندان کی نسبت سے صنہاجی، مقامِ ولادت کی نسبت سے دلاصی اور مقامِ سکونت کی نسبت سے بوصیری کہلاتے ہیں۔

اس عہد کے رواج کے مطابق بوصیری نے علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف توجہ کی اور اپنی ذہانت سے صرف تیرہ سال کی عمر میں حفظِ قرآن مجید کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے دیگر علوم کی تحصیل کی طرف بھی توجہ کی اور ان میں کمال پیدا کیا۔ اگرچہ کسی تذکرے سے بوصیری کے علمی فتوحات کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی مگر ان کے اشعار کے مطالعے سے یہ پتہ

چلتا ہے کہ انھوں نے علومِ حدیث، سیر و مغازی کے علاوہ علم کلام میں بھی منتہیانہ صلاحیت بہم پہنچائی تھی۔ ان علوم کے سوا علم ادب، بیان، بدیع اور صرف و نحو میں بوصیری کو مہارت حاصل تھی۔ وہ فن خطاطی میں بھی دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ شعر گوئی کا انھیں اوائلِ عمر سے شوق تھا۔ اور یہ شوق زندگی کی اگلی منزلوں میں تیز تر ہوتا گیا۔ ان کا مجموعۂ کلام، جو دیوانِ بوصیری کے نام سے چھپ چکا ہے اور متداول ہے، ان کی قادر الکلامی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ ان کے شاعرانہ کمال کی ہر دور میں قدر کی گئی۔ ان کے قریب تر عہد کے فضلا نے بھی اور بعد کے نقادوں نے بھی۔ شیخ الاسلام جلال الدین سیوطی، علامہ ابنِ عماد حنبلی، ابنِ شاکر کتبی، بطرس بستانی مصنفِ ادباء العرب، اور امام بوصیری کے شاگرد علامہ ابنِ سید الناس نے ان کے شاعرانہ کمال کا بڑی فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ مستشرقین میں پروفیسر نکلسن بھی بوصیری کی جلالتِ شان کا قائل ہے۔
حصولِ علم کی جدوجہد میں اس عہد کے عام مذاق کے مطابق بوصیری نے کوچۂ تصوف کی بھی خاک چھانی ہے اور وہ مصر کے مشہور صوفی بزرگ ابو العباس احمد المرسی (م-۶۸۶ھ) کے مرید تھے۔ ان کے کلام میں جو سوز و گداز ملتا ہے وہ اسی آستانۂ فیض کے طفیل انھیں ملا۔ بوصیری کے تلامذہ میں ابو حیان مصری غرناطی (متوفی ۷۴۵ھ) اور ابن سید الناس (متوفی ۷۳۴ھ) جیسے فاضلِ روزگار حضرات شامل ہیں۔ اس سے ان کی علمی جلالتِ شان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حصولِ علم کے بعد فکرِ معاش میں بوصیری نے امرا کا توسل اختیار کیا اور مختلف اربابِ اقتدار کے یہاں خطاط اور کاتب کی حیثیتوں میں ملازم رہے۔ ان امرا میں انھیں سب سے زیادہ خصوصیت جس امیر سے تھی وہ وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر تھا۔ بوصیری اس کی ملازمت میں کئی سال رہے اور اس کی تعریف میں قصائد لکھے۔ اس کے علاوہ بھی وہ مختلف درباروں سے وابستہ رہے اور انھوں نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک بڑا حصہ اسی دربارداری کی نذر کیا۔ وہ خود کہتے ہیں:

خَدَمْتُهُ بمديحٍ استقيلُ به   ذُنوبَ عمرٍ مضىٰ في الشعرِ والخِدَمِ

(میں نے قصیدہ مدحیہ لکھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عمر کے گناہوں کی عذر خواہی کے بطور پیش کیا ہے، جو شعر گوئی اور دربارداری میں بسر ہوئی)

مگر اس زمانے کے غیر یقینی حالات اور عام ابتلا کے پیش نظر درباداری بھی چنداں مفید مطلب نہ ہو سکتی تھی اس لیے طرز تپاک اہلِ دنیا سے بوصیری کا دل بھی جلا اور انھوں نے دربار داری سے توبہ کرلی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طویل اور مزمن بیماری نے جیسا کہ اکثر اہلِ تذکرہ بیان کرتے ہیں، انھیں دربار کی حاضری اور شعر خوانی سے روک دیا ہو۔ بہرکیف انھوں نے عمر کی آخری منزلوں میں دربار سے تعلقات توڑ لیے اور اپنے مرشد ابوالعباس احمد المرسی کے آستانے سے وابستہ ہوگئے۔ انھوں نے اپنا خاصا وقت سیاحی میں بھی گزارا۔ انھوں نے دس سال تک بیت المقدس میں عبادت و ریاضت میں بسر کیے پھر ارضِ حجاز کی مقدس فضاؤں نے انھیں اپنی طرف کھینچا اور سب سے اخیر میں وہ مرشد کامل کی خدمت میں واپس آئے اور یہیں ۶۹۴ یا ۶۹۵ھ میں آستانۂ شیخ پر جان دے دی اور یوں ان کی مضطرب روح نے ایسی ہی مضطرب جلیسی کہ اس عہد کی روح تھی، مصر قدیم کی آغوشِ خاک میں سکون پایا۔

جس زمانے میں بوصیری کے فن کو عروج حاصل ہو وہ عظیم ابتلا کا زمانہ تھا۔ مصر و شام میں ایوبی اور مملوک امرا برسرِ پیکار تھے اس پر مستزاد صلیبی جنگ آزماؤں کی یورشیں جاری تھیں۔ دنیائے اسلام کے مشرقی حصے تاتاریوں کے ہاتھوں پائمال ہو رہے تھے۔ ایسی پُرآشوب فضا میں شعر و شاعری کو فروغ کہاں ہو سکتا تھا۔ عام طبیعتوں پر جمود اور قنوط کی ایک کیفیت چھائی ہوتی تھی۔ شاعری صنائع لفظی و معنوی کا دوسرا نام تھا۔ بوصیری کی شاعری بھی انھیں تکلفات سے مملو ہے۔ اس میں صنائع و بدائع کی بھرمار ہے۔ ہاں ان کے نعتیہ اشعار میں شدتِ جذبات اور اثر انگیزی کی بھی کمی نہیں ہے۔ ان اشعار کا اثر ان کی روانی میں بھی مضمر ہے اور بوصیری کے خلوص میں بھی۔ بوصیری کی شہرت سب سے زیادہ ان کے قصیدۂ بُردہ کی مرہونِ منت ہے اور آج اسی قصیدے کی بدولت وہ اسلامی دنیا میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔

قصیدہ بُردہ دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ کل اشعار کی تعداد متداول نسخوں کے مطابق ایک سو پینسٹھ ہے۔ مگر ان میں سے بعض اشعار الحاقی ہیں مثلاً:

ثمّ الرضا عن ابی بکرٍ و عن عمرٍ ۔۔۔ و عن علیٍّ و عن عثمانَ ذی الکرمِ

والآلِ والصحبِ ثم التابعینَ فہم ۔۔۔ اہلُ التقیٰ والنقیٰ والحِلمِ والکرمِ

فاغفر لناشرہا واغفر لقارئہا ۔۔۔ سألتکَ الخیرَ یا ذا الجود والکرمِ

ان تین الحاقی اشعار کے علاوہ مندرجہ ذیل دو شعر بھی قدیم نسخوں میں منقول نہیں ہیں:

حتّٰی اذا طلعت فی الکون عمّ ھدا ۔۔۔ ھا العالمین و احیت سائر الامم

اٰیاتہ الغرّ لا یخفیٰ علی احد ۔۔۔ بدونھا العدل بین الناس لم یقم

اسی طور سے قصیدے کے کل اشعار ایک سو ساٹھ (۱۶۰) قرار پاتے ہیں۔ اس کی تصدیق الحاقی شعر سے بھی ہوتی ہے جسے باجوری وغیرہ شارحین بردہ نے الحاقی اشعار کے ضمن میں نقل کیا ہے:

ابیاتھا قد اتت ستّین مع مأۃ ۔۔۔ فرّج بھا کربنا یا واسع الکرم

اگرچہ یہ شعر الحاقی ہے اور بوصیری کی جانب اس کی نسبت مشکوک ہے مگر اس سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ قصیدۂ بردہ کے اشعار کی تسلیم شدہ تعداد ایک سو ساٹھ ہی ہے۔ ان اشعار کے علاوہ بھی بعض اشعار اس قصیدے میں شامل کر لیے گئے ہیں مثلاً:

یا ربّ بالمصطفیٰ بلّغ مقاصدنا ۔۔۔ واغفر لنا ما مضیٰ یا واسع الکرم

واغفر الٰہی لکلّ المسلمین بما ۔۔۔ یتلوہ فی المسجد الاقصیٰ وفی الحرم

بجاہ من بیتہ فی طیبۃ حرم ۔۔۔ واسمہ قسمٌ من اعظم القسم

وھذہ بردۃ المختار قد ختمت ۔۔۔ والحمد للّٰہ فی بدءٍ وفی ختم

اسی طرح قصیدہ کے آغاز میں مندرجہ ذیل دو اشعار بڑھا دیے گئے ہیں:

الحمد للّٰہ منشئ الخلق من عدم ۔۔۔ ثمّ الصلوٰۃ علی المختار فی القدم

مولای صلّ وسلّم دائماً ابداً ۔۔۔ علی حبیبک خیر الخلق کلّھم

اگر ان تمام اشعار کو شامل کر لیا جائے تو قصیدہ بردہ کے اشعار کی مجموعی تعداد ایک سو بہتر (۱۷۲) قرار پاتی ہے، مگر درست یہی ہے کہ اس کے کل اشعار ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہیں۔ بقیہ اشعار الحاقی ہیں جن کی نسبت امام بوصیری کی جانب درست نہیں ہے۔

قصیدۂ بردہ کے نعتیہ اشعار میں شدتِ جذبات اور اثر انگیزی کی کمی نہیں۔ بوصیری کہتے ہیں،

فھو الذی تمّ معناہ و صورتہ ۔۔۔ ثمّ اصطفاہ حبیباً بارئ النسم

[آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات باطنی اور ظاہری کمالات سے متصف ہے اس لیے آپ کو خالقِ کائنات نے اپنا محبوب بنایا]

مُنَزَّہٌ عن شریکٍ فی محاسنہٖ　　فجوہر الحسنِ فیہ غیر منقسمٖ

(خوبیوں میں آپؐ کی ذات کسی شریک اور ساجھی سے پاک ہے۔ آپؐ ہیں جوہرِ حسن ناقابلِ تقسیم ہے)

ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں:

محمدٌ سیدُ الکونین والثقلین　　والفریقین من عُربٍ و من عَجَمٖ

[حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت، انس وجن اور عرب و عجم کے سردار ہیں]

نبیُّنا الآمرُ الناھی فلا احدٌ　　ابرَّ فی قولِ لا منہُ ولا نَعَمٖ

[ہمارے نبی اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کوئی شخص ہاں یا نہیں کہنے میں ان سے زیادہ سچا نہیں ہے]

مدحِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک اور انداز ملاحظہ ہو:-

کالزَّھرِ فی ترفٍ والبدرِ فی شرفٍ　　والبحرِ فی کرمٍ والدھرِ فی ھِمَمٖ

[آپؐ تروتازگی میں شگوفۂ نورستہ، شرف و علو میں ماہِ تمام، جود و کرم میں بحرِ مواج اور ہمت و عزم میں دہرِ گرداں ہیں]

کانّما اللؤلؤُ المکنونُ فی صدفٍ　　من معدنَی منطقٍ منہ ومُبتسمٖ

[جب آپؐ گفتگو فرماتے یا مسکراتے ہیں تو گویا آپؐ کے دہن و لب وہ کانیں ہیں جن میں دُرِّ دنداں یوں نہاں ہیں جیسے سیپ میں موتی]

ولادتِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت جو معجزات ظہور پذیر ہوئے انھیں اس انداز میں بیان کیا ہے ؎

و بات ایوانُ کسریٰ وھو منصدعٌ　　کشملِ اصحابِ کسریٰ غیرَ ملتئمٖ

[خسروئے ایران انوشیرواں کا ایوانِ حکومت منہدم ہو گیا جیسے کہ خسروئے ایران یزدگرد کا لشکر اسلامی حملوں سے منتشر ہو گیا]

والنارُ خامدۃُ الانفاسِ من اسفٍ　　علیہ والنھرُ ساھی العینِ من سَدَمٖ

[ایوانِ کسریٰ کے سقوط پر رنج و غم سے آتش کدۂ ایران بجھ گیا اور دریائے فرات اپنے منبع کو بھول گیا]

وساءَ ساوۃَ اَنْ غاضت بحیرتُھا　　ورُدَّ واردُھا بالغیظِ حین ظمٖ

(اور اہلِ ساوہ کو اس بات نے رنجیدہ کیا کہ نہر ساوہ کا پانی خشک ہو گیا اور اس پر پانی پینے کے لیے جب پیاسے آئے تو غصہ سے لوٹ گئے)

نعت کے دو شعر اور سُن لیجیے :

فَحُزْتَ کُلَّ فَخَارٍ غَیْرَ مُشْتَرَکٍ وَجُزْتَ کُلَّ مَقَامٍ غَیْرَ مُزْدَحِمِ

(آپؐ نے بلا شرکت غیرے ہر قابلِ فخر بات جمع کر لی اور ہر بلند مقام سے بلا کسی مزاحمت کے آگے بڑھ گئے)

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّیتَ مِنْ رُتَبٍ وَعَزَّ اِدْرَاکُ مَا اُولِیتَ مِنْ نِعَمِ

(جن رتبوں پر آپؐ کو فائز کیا گیا وہ بلند قدر ہیں اور جو نعمتیں آپؐ کو عطا کی گئیں ان کا ادراک مشکل ہے)

مسلمانوں کے عقائد و افکار

علامہ ابوالحسن اشعری ترجمہ: مولانا محمد حنیف ندوی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے جلیل القدر عالم علامہ ابوالحسن اشعری کے شاہکار مقالات الاسلامیین کا ترجمہ ہے۔ اس میں علامہ نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے ان تمام عقائد و افکار کو بغیر کسی تعصب کے بیان کر دیا ہے جو صدیوں ہمارے ہاں فکری و کلامی مناظروں کا محور بنے رہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں یہ معلوم ہو گا کہ مسلمانوں نے نفسیات، اخلاق اور مادہ و روح کے بارے میں کن کن علمی جواہر پاروں کی تخلیق کی ہے وہاں یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجائے گی کہ ماضی میں فکر و نظر کی کجی نے کن کن گمراہیوں کو جنم دیا ہے اور ان گمراہیوں کے مقابلے میں اسلام نے کس معجزانہ انداز سے اپنے وجود کو برقرار رکھا ہے۔ قیمت : ۹ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور